سہیل عظیم آبادی کا افسانہ ''الاؤ'':ایک جائزہ

ڈاکٹر محمد محسن
کروڑی مل کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی

ملخص

زیرِ نظر مضمون بعنوان '' سہیل عظیم آبادی کا افسانہ ''الاؤ'':ایک جائزہ ہے۔یہ افسانہ ایک دیہی وزرعی مفلس، کمزور، مزدور طبقے کے دکھ ودرد کے جہات کا ہمہ گیر مطالعہ پیش کرتا ہے۔اس افسانے کا مقصد اردو ادب میں فکری رجحانات اور تخلیقی خصوصیات کا منظم انداز میں بیان کرنا ہے۔ مقالے کی ابتدا سہیل عظیم آبادی کی شخصیت وفن کے تعارف پر مشتمل ہے، جس میں سوانحی پس منظر، تعلیمی سفر، تدریسی خدمات، ادبی سرگرمیوں اور مطبوعات کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اور آخری ودوسرے حصے میں افسانے کا تجزیاتی مطالعہ اور خلاصہ اسلوب بیانی کے ساتھ خوبصورت لہجے میں پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: سہیل عظیم آباد افسانہ الاؤ میدان پھگوا دلّو تہذیب ساتھی پٹنہ

اردو ادب کے دنیا کی نامور شخصیت سہیل عظیم آبادی کا اصل نام ''سید مجیب الرحمٰن'' اور صغر سنی کا اسم ''سید قادر حسین'' تھا۔ سہیل عظیم آبادی کا خاندان ایک اعلیٰ ومعتبر ''سید'' خانوادے میں شمار کیا جاتا تھا، سید خاندان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے چلا آرہا ہے۔ جسے اسلامی نقطۂ نظر میں سب سے بڑا درجہ حاصل ہے۔ سید مجیب الرحمٰن

شعر وادب کی دنیا میں ''سہیل عظیم آبادی'' کے نام سے مشہور ومعروف ہوئے۔ چونکہ انھوں نے اپنی ادبی و تخلیقی زندگی کا آغاز فن ''شاعری'' کے صنف سے کیا تھا۔ اور ان کا تخلص ''سہیل'' تھا۔

لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا پس یہ شعر وشاعری کا درخشاں و تابندہ ستارہ کچھ دنوں کے بعد ہی اردو ادب کے آفاقی شاعر جمیل مظہری کی ایماواشارے پر جلد ہی اردو فکشن کی طرف مائل ہوگئے، بعدہٗ وہ ہمیشہ ہمیشگی کے لیے فکشن کے ہو کر رہ گئے۔

اردو فکشن کے عظیم علم بردار سہیل عظیم آبادی کی ولادت ۱۹۱۱ء کو پٹنہ سٹی کے ایک زمیندار اور علمی وادبی گھرانے میں ہوئی۔ لیکن ان کا آبائی گاؤں کا نام شاہ پور، بھدول، ضلع پٹنہ، ریاست بہار میں واقع ہے۔ سہیل عظیم آبادی کی بدقسمتی یہ رہی کہ صرف ایک سال کی مدت میں ہی ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے ماں کی الفت ومحبت سے محروم ہوگئے۔ سہیل عظیم آبادی کی ماں کی وفات کے بعد ان کی ایامِ طفلی کی زندگی نانیہال میں گزری۔ نانیہال کے گاؤں کا نام سلیم پور ضلع گیا (بہار) میں ہے۔ جہاں ان کی پرداخت وپرورش خاص توجہ کے ساتھ تکمیل کو پہنچی اور نانیہال میں ہی ابتدائی تعلیم ایک مدرس کی نگرانی میں ہوئی۔ سہیل عظیم آبادی ابتدائی مرحلہ طے کرنے کے بعد حصول علم کی غرض سے پٹنہ تشریف لے گئے۔ یہاں پروان چڑھنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے مظفر پور کے مشہور ''لنگرٹ سنگھ کالج'' میں داخلہ لیا۔ یہاں کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آگے کی تعلیم جاری وساری رکھنے کے لیے وہ کلکتہ قیام پذیر ہوئے۔ کلک ازل کا مقصد کچھ اور ہی تھا کیونکہ علم الحساب میں کم نمبر ہونے کے سبب کلکتہ یونیورسٹی میں داخلہ نہیں ہو سکا۔ کلکتہ میں قیام کے دوران انھوں نے صحافتی زندگی کا آغاز کیا اور ایک روزنامہ اخبار ''ہمدرد'' میں ایک اہم رکن کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیے۔ علاوہ ازیں وہاں کے مختلف رسائل وجرائد سے منسلک رہے۔

سہیل عظیم آبادی نے اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے شہر حیدرآباد (دکن) کا بھی سفر کیا۔ حیدرآباد میں ان کی وابستگی ہمیشہ اردو تحریک اور علمی فروغ کے حوالے سے رہی ہے۔ انھوں نے وہاں اردو کے مشہور ومعروف ناقد

و محقق نامور عالم مولوی عبد الحق (بابائے اردو) کی سرپرستی میں اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت میں منہمک رہے ۔ ان کی یہ خدمات حیدرآباد کے علمی وادبی ماحول سے متاثر تھی جہاں اردو زبان وادب کو خاص اہمیت حاصل تھی ۔ سہیل عظیم آبادی کو ان کی ادبی و تحریکی خدمات کی بنا پر حیدرآباد کے علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا گیا لیکن جو شہرت و مقبولیت ان کو ریاست بہار سے حاصل ہوئی وہ کسی اور شہر سے نہیں ملی۔

سہیل عظیم آبادی پیشہ وارانہ زندگی کے دوران ایک مدت تک وہ چھوٹا ناگ پور میں بھی آباد رہے۔ وہ بابائے اردو مولوی عبد الحق سے متاثر تھے جس وجہ سے انھوں نے وہاں اردو زبان وادب کے فروغ کے لیے انتھک کام کرتے رہے، اسی اثنا میں انھوں نے معاشرتی بے راہ روی پر کافی کچھ تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ نئی نسل کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ سہیل عظیم آبادی چھوٹا ناگپور میں تقریباً ے سال تک مقیم رہے اور وہاں انھوں نے اخبار اور رسائل و جرائد میں متعدد مقالے تحریر فرمائے اور کئی طبع زاد تصانیف بھی شائع ہوئیں۔

صحافت کی دنیا میں بھی سہیل عظیم آبادی نے نمایاں کردار ادا کیا۔ انھوں نے ادب اور ثقافت کے فروغ کے لیے رسالہ ''تہذیب'' کی ابتدا پٹنہ سے کی، یہ ایک ماہنامہ جریدہ تھا اور اس کے علاوہ انھوں نے ایک روزنامہ اخبار ''ساتھی'' جاری کیا۔ ان کا یہ رسالہ اور اخبار اشاعت کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اردو ادب کی ترقی، معاشرے کی اصلاح اور قوم کی فلاح و بہبودی ہو سکے ۔ جن میں ہر طرح کے مضامین شائع کرتے تھے ۔ وہ ہمہ وقت اپنی تحریروں کے ذریعے لوگوں کو ادبی اور ثقافتی زندگی کی رہنمائی کرتے رہے۔ ان سرگرمیوں کے علاوہ سہیل عظیم آبادی ''آل انڈیا ریڈیو'' میں سرکاری ملازم تھے ۔ اس ملازمت کے دوران انھوں نے دہلی اور سری نگر میں بھی اپنی زندگی کے اہم اوقات بسر کیے ۔ لیکن انھیں یہ نوکری راس نہیں آئی کچھ عرصے کے بعد استعفیٰ دے کر ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور پٹنہ واپس چلے آئے۔ انہوں نے تاحیات پٹنہ میں ہی رہ کر اپنی ادبی زندگی کو پوری لگن کے ساتھ جاری وساری رکھا۔ بالآخر اردو افسانہ کا روشن و منور مینار ۱۹۸۰ء میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

بہار کی تاریخ میں سہیل عظیم آبادی ادب کے وہ روشن چراغ ہیں جنہوں نے ہر طبقے اور ہر فرقے کے لوگوں سے بڑی جوش و خروش سے ملتے اور ان کے باریک مسائل پر غور و فکر کرتے تھے۔ اس عہد میں خاص طور پر بہار میں اونچ نیچ، بھید بھاؤ، امیری غریبی اور زمیندار مزدور کے مابین تعصب زوروں پر تھا لیکن سہیل عظیم آبادی کا فی اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے۔ وہ میل جول رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے اہل خانہ ایام طفلی میں انھیں غریب و مفلس کے بچوں کے ساتھ کھیل کود اور ان سے دوری اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ پھر بھی وہ اس کے برعکس چلا کرتے تھے اور مستقبل میں انھوں نے زمیندارانہ نظام کے ذریعے جو غریب لوگوں کا استحصال کیا جاتا تھا اس نظام کے سخت مخالف رہے۔ سہیل عظیم آبادی بچپن سے سماج کی تلخیوں کو دیکھ رہے تھے۔ جب انہوں نے افسانوی و ادبی دنیا میں قدم رکھا تو سماج میں ہونے والی ناانصافیوں کو اپنی تحریر کے ذریعے نشانہ بنایا۔ انھوں نے جہاں ایک طرف اپنے افسانوں میں شہر کی انسانی زندگی کو جگہ دی وہیں دوسری جانب دیہات کے معاشرتی زندگی، کسان و مزدور اور متوسط طبقے کے لوگوں کی زندگی کو اپنے افسانوں میں بھرپور جگہ دی۔ اس طرح ان کے یہاں شہر اور دیہات کا بہترین امتزاج نظر آتا ہے۔

اردو افسانے کی روایت میں منشی پریم چند کا ایک بڑا نام ہے، انھوں نے جس دیہی ورزعی روایت کو جنم دیا تھا اسی روایت سے بے حد متاثر ہو کر سہیل عظیم آبادی نے اپنے افسانہ نگاری کی بنیاد ہی نہیں رکھی بلکہ زندگی بھر اس روایت کے داعی و حامل رہے۔ اس کے علاوہ سہیل عظیم آبادی جس قلم کار سے مرعوب ہیں، ان میں سدرشن، علی عباس حسینی اور بیرون ملک کے فکشن نگار ٹالسٹائی، موپاساں اور چیخوف وغیرہ اہم ہیں۔

معلوم ہوتا ہے سہیل عظیم آبادی میر امن کے آفاقی شہرت یافتہ تخلیق داستان ''باغ و بہار'' سے بے حد متاثر تھے، اس لیے انھوں نے اپنے افسانوں کی زبان و بیان کو نہایت سادہ و سلیس اور عام فہم رکھی۔ اس طرح انہوں نے عام انسانوں کی بول چال کی زبان کو ہی اپنے تخلیقی ادب میں نہایت ہی فنکارانہ انداز سے جگہ دی جو ان کے فنی محاسن کی بہترین و عمدہ مثال ہے۔

اردو افسانہ کے اہم معمار کرشن چندر سہیل عظیم آبادی کی زبان و بیان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سہیل کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے، مصنوعی اور غیر فطری مکالمے کہیں نہیں ہیں، بہاری گاؤں اور اس کے افراد کی تصویر اس فنی صناعی اور چابکدستی سے کھینچتے ہیں کہ افسانے کی دلکشی دوبالا ہو جاتی ہے۔ غیر ضروری الفاظ کے استعمال سے بہت پرہیز کرتے ہیں اپنی تحریرات میں کم گو لیکن پُر گو ہیں۔ بہت کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔ اسے اُن کے انداز تحریر کا اعجاز سمجھنا چاہئے۔''

(الاؤ۔ مرتب مصطفیٰ کمال پاشا۔ صفحہ ۹۔ ۱۰ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

ہمارے معاشرے کا دستور و چلن رہا ہے کہ اکابرین نے آنے والی نئی نسلوں کو اپنی تحریروں کی روشنی میں وعظ و نصیحت کرتے آئے ہیں۔ اسی راہ و روش پر پس پردہ چلتے ہوئے سہیل عظیم آبادی نے بھی اپنے افسانوں کے ذریعے سماج و معاشرے کو ایک اخلاقی و انسانی پند و نصائح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اردو فکشن کی دنیا میں سہیل عظیم آبادی ایک ممتاز افسانہ نگار رہے ہیں۔ البتہ افسانے کی دنیا میں جس طرح منشی پریم چند، کرشن چندر، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی اور سعادت حسن منٹو وغیرہ کے زمانے کو عہدِ زریں دور کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح سہیل عظیم آبادی کی افسانہ نگاری کی عظمت کو تا اردو دنیا یاد رکھا جائے گا۔

سہیل عظیم آبادی ترقی پسند تحریک سے ایک گہری وابستگی رکھتے تھے، ان کے تمام افسانہ اور ناول ان ہی نظریے کے زیر سایہ مزین ہیں۔ ''بے جڑ کے پودے'' ان کا ایک مشہور ناول ہے جسے ادبی حلقوں میں بہت شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ ایک اور ناول ''دھوپ چھاؤں'' ہے جو ان کی زندگی میں تو طبع نہیں ہو سکا، یہ ناول ایک طویل مدت تک غیر مطبوعہ مسودہ کی شکل میں موجود تھا لیکن تحقیق اور دریافت کے بعد یہ ناول جنوری ۲۰۲۱ء میں منظر عام پر آیا۔

سہیل عظیم آبادی نے اپنے افسانہ نگاری کا باقاعدہ آغاز کلکتہ سے کیا اور ان کا افسانہ ''سحر نغمہ'' جو ایک ہفت روزہ اخبار ''اداکار'' میں شائع ہوا تھا۔ ان کے کل چار اردو افسانوی مجموعے منظر عام پر آئے جن میں ''چار چہرے

''(۱۹۳۴ء)،''الاؤ''(۱۹۴۲ء)،''نئے پرانے''(۱۹۴۴ء)اور''آدمی کے روپ''(۱۹۷۴ء)ہیں۔بہر کیف انھوں نے کل ۱۲۵افسانے تحریر فرمائے۔

زیر بحث سہیل عظیم آبادی کا افسانہ''الاؤ''ہے جو ان کا سب سے مشہور افسانہ ہے جسے پریم چند کے افسانہ ''پوس کی رات''کے طرز پر لکھا گیا تھا اس افسانے میں''پوس کی رات''کی طرح ہی گاؤں اور دیہات کی روزمرہ کی زندگی اور اس کے مسائل ومعاملات نظر آتے ہیں۔اس افسانے میں کھیت کھلیان اور کسان و مزدور کی بے کسی ولاچاری کی کشمکش دکھائی دیتی ہے۔اس کے کردار کا نام بھی جو گاؤں میں اکثر وبیشتر استعمال ہوتے ہیں اسی نام کو افسانہ الاؤ میں بھی لیا گیا ہے۔سہیل عظیم آبادی کا افسانہ''الاؤ''ان کی تمام افسانوں میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا افسانہ ہے۔افسانے کا قصہ اس طرح ہے:

''الاؤ''ایک علامتی اور فکری افسانہ ہے جس میں سماج کی بے رحمی،انسان کی تنہائی اور اونچ نیچ کے طبقاتی فرق کو نہایت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔اس افسانے میں''الاؤ''صرف آگ کا نام نہیں بلکہ زندگی،امید،انسانی لگاؤ، جذباتی وابستگی اور اپنائیت کی پہچان ہے۔

افسانے کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ گاؤں سے دکھن میں ایک بڑا سا فیلڈ ہے وہ میدان ان لوگوں کے لیے سب کچھ تھا۔اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں کسی بادشاہ یا راجہ کا محل تھا۔میدان کے مشرق کی طرف پیپل اور برگد کے پیڑ ہیں۔اس کے بعد کھیت کھلیان ہے۔اسی کے ارد گرد ایک پوکھر بھی ہے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رانی اور اس کی سہیلیاں اس میں نہایا کرتی تھیں جو اب بچوں کی تفریح کی جگہ بن گئی ہے۔

اب گاؤں میں صرف مزدور،کسان اور زمیندار رہتے ہیں۔ان لوگوں کے لیے میدان ہی سب کچھ تھا بچوں کے کھیلنے کی جگہ،کسان کے اناج پھیلانے وسکھانے کا مسکن یہاں تک کہ گاؤں والوں کی ایک رہائش گاہ تھا۔

ایک دن کی بات ہے کہ بچے میدان میں کھیل رہے تھے،عورتیں اپنے کاموں میں مصروف تھیں اور پھگوا میدان کے ایک گوشے میں آگ جلایا تاکہ وہ اپنی لاٹھی سیدھی کرے،پھگوا کو یہ لاٹھی بہن کے گھر سے آتے وقت

اس کے بہنوئی نے بسواڑی سے ایک لاٹھی کاٹ کر دیا، لاٹھی نہایت ہی مضبوط تھی لیکن نیچے سے تھوڑی ٹیڑھی تھی اسے آگ جلا کر سیدھا کر رہا تھا۔ گاؤں کے کچھ افراد ادھر سے آپڑے اور بولے اے پھگوا ابھی تو زیادہ سردی بھی نہیں ہے آگ کیوں جلائے ہوئے ہو! پھگوا نے بتایا کہ لاٹھی سیدھی کر رہا ہوں۔ یہ لوگ وہاں بیٹھ گئے اور دھیرے دھیرے "الاؤ" کے پاس لوگوں کا جماؤڑا ہو گیا اور ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ چچا بولے آج کل کے لڑکے بہت بدمعاش ہو گئے ہیں اور اس حوالے سے چچا نے ایک قصہ بیان کیا۔ پھر ان میں کسی نے بولا کل کی بات ہے کلوا کی بیوی کا ریتو نے راستہ روک کر ہنسی مذاق کر رہا تھا کلوا کی بیوی نے ہاتھ میں لیے گھڑا سے پانی اڑیلنے کی دھمکی دی تو ریتو نے راستہ چھوڑا۔ سانول نے جواب دیا کہ چچا ریتو مذاق کر رہا ہو گا بھوجائی جو لگتی ہے۔ چچا نے بتایا کہ اگر کوئی اور دیکھتا تو بدنامی ہوتی اور طرح طرح کی باتیں نکل کر آتیں۔ اسی طرح گاؤں کے قصے کہانیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ بات بات میں پھگوا جو اپنی بہن کے یہاں سے ہو کر آیا تھا اس نے بتایا کہ پاس کے گاؤں میں لوگ سبھا کر رہے ہیں تاکہ وہ ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کر سکے اسی میں دلّو بیٹھا تھا جو کلکتہ میں قلی کا کام کر رہا تھا کل رات ہی گاؤں آیا تھا ۔ دلوّ احتجاج وغیرہ سے واقف تھا کیوں کہ وہ یہ سب کلکتہ میں دیکھ چکا تھا اور دلو گاؤں کے زمینداروں کے ظلم سے بھی واقف تھا۔ دوران گفتگو طوفانی چچا حقہ لے کر آپڑے، چچا کے آتے ہی کچھ وقت کے لیے سناٹا پسر گیا۔ طوفانی چچا ٹھاٹ پاٹ سے بیٹھنے کے بعد دریافت کیا کہ تم لوگ چپ کیوں ہو گئے۔ پھر کسی نے پاس کے گاؤں دھرم پور کے احتجاج کا ذکر کیا طوفانی چچا نے بڑے رعب کے ساتھ بولے یہ سب اوپر والے کی لکھی ہوئی قسمت ہے کہ وہ زمیندار پیدا ہوئے اور ہم کسان و مزدور یہ سن کر وہاں بیٹھے نوجوانوں میں جو تھوڑی، ہمت بن رہی تھی سرد پڑ گئی اب بھلا خدائی کارخانے میں تکرار کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں بنتا۔ کچھ وقت کے بعد دلو ہمت کر کے بولا کہ ہم لوگ چاہے تو زمینداروں کے ظلم کے خلاف آواز بلند کر سکتے ہیں پھر طوفانی چچا طنز کرتے ہوئے کہا کہ بھئی بچے ہو تم شہر سے آئے ہو گاؤں کے حال چال سے واقف نہیں ہو یہ کہہ کر طوفانی چچا الاؤ کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور چل پڑے ساتھ ہی دو چار آدمی وہاں سے چلے گئے۔ لیکن دلو، سانول بھاگو اور کچھ نوجوان وہاں بنے رہے اور کافی دلچسپی لے رہے تھے

۔ سانول نے دلو سے مخاطب ہو کر کہا بھیا بتایئے آگے کیا کرنا ہے اور کب سے؟ دلو نے کہا سب سے پہلے سب اکٹھا ہو جائیں۔ وہاں موجود سارے نوجوان دلدادہ کے ساتھ اور خوب جوش کے ساتھ بولے ہم تیار ہیں۔ کسی کو آگے پیچھے کی پرواہ نہ تھی سب نے ہاں میں ہاں ملائی کافی بحث و تکرار کے بعد دلو نے رائے پیش کی کہ پٹواری جی کو رسید انہ نہ دیا جائے کیوں کہ وہ دباؤ ڈال کر گھی دودھ لے لیتے ہیں۔ آج سے بیگاری ختم یہ کہہ کر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور ''الاؤ'' بجھ گئی۔ ان میں ایک نے کہا دلو بھیا پنڈت جی بولتے ہیں کہ تم لوگ خاموش رہو یہ سب ''کانگریس پارٹی کر دے گی۔ ان میں سے ایک اور نوجوان کو ہمت آئی اور وہ ماموں کے گھر سے ہو کر آیا تھا۔ وہ وہاں کانگریس پارٹی کی برائیاں سن چکا تھا۔ اس نے کہا دلّو بھیا۔ مولانا صاحب کہتے ہیں اتنے میں دلّو ذرا تیز آواز سے بولا دھت غریبوں کا کوئی بھی مسیحا نہیں ہوتا ہمیں یہ سب خود کرنا ہو گا۔ رات کافی گزر چکی تھی، ہوا بھی چل رہی تھی اور سردی کا موسم بھی تھا۔ دلّو کے اٹھتے ہی سب کے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے گھروں کی جانب نکل پڑے۔

کل ہو کر صبح سے ہر گلی کوچوں میں ان باتوں کا شور ہونے لگا، بڑے بزرگوں میں سنّاٹا پسرا ہوا تھا، بچے تماشا دیکھنے کے لیے خوش ہو رہے تھے اور نوجوان نئی صبح کی امید پر تھے لیکن اندر سے ڈرے ہوئے تھے کہ پتا نہیں پٹواری اور زمیندار کیا پیش قدمی کریں گے۔ شام ہوتے ہی کچھ نوجوان جمع ہوئے لیکن زیادہ تر کترا کے ڈرتے ہوئے نکل گئے ۔ مجمع اکٹھا کر کے سبھا کرنے والے بہت غصہ ہوئے اور کچھ کے گھر پر بھی گئے اور غصے میں کہا کہ تم سب کا حشر طوطا رام کی طرح ہی ہو گا، طوطارام جسے زمیندار نے بولا کہ تم اپنی بیوی کو میرے گھر کے کام کاج کے لیے بھیجو! طوطارام نے اس سے انکار کر دیا بس زمیندار نے اسے پیٹا تم سب کا حشر بھی ایسا ہی ہو گا اور مار کھاؤ گے اور ذلیل بھی کیے جاؤ گے۔

صبح ہوتے ہی سانول کے دروازے پر ایک آدمی آیا اور بولا تحصیلدار تمھیں کوٹ بلا رہے ہیں۔ سانول منھ ہاتھ دھو کر، کچھ کھا پی کر تحصیلدار سے ملنے کی غرض سے کچہری کی طرف نکل پڑا راستے میں خیال آیا کہ پھگوا اور دلّو کو اس بات سے آگاہ کر دوں۔ یہی تینوں پورے سرغنا کے رہنما تھے۔ دلو اور پھگوا کچہری سے ڈانٹ سن کر واپس

آرہے تھے۔ سانول نے انھیں دیکھ کر پوری بات بتائی لیکن وہ لوگ اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ ہمیں ڈانٹ پڑی اس لیے کہ سانول غصے والا تھا اس کا غصہ اور تیز ہو جائے گا۔ پھگوا نے سوچا کہ سانول کو ملنے جانے سے روکا جائے لیکن ملنے نہ جانے میں اور مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ کچھ گفتگو کے بعد سانول ملنے چلا گیا، وہاں تھوڑی ڈانٹ کے بعد سانول نے غصے میں جواب دے دیا۔ پٹواری اپنے پیادے سے سانول کو پیٹنے کا حکم دیا۔ سانول دیوار کود کے بھاگ نکلا اور پھگوا کو لاٹھی نکالنے کو بولا، دلّو سمجھدار تھا کسی طرح سانول کو پھگوا کے گھر میں بند کر دیا۔

کچھ وقت کے بعد تحصیلدار کے کچھ پیادے سانول کو طلب کرنے آئے لیکن دلّو نے کہا کہ یہاں نہیں ہے وہ بھاگ گیا۔ پیادے کو پہلے ہی یہ پتا چل چکا تھا کہ وہ پھگوا کے گھر میں بند ہے وہ ضد کرنے لگے کچھ وقت کی بات چیت کے بعد دلّو نے کہا کہ چپ چاپ لوٹ جاؤ نہیں تو پیٹے جاؤ گے۔ جب تک وہاں پندرہ بیس آدمی جمع ہو چکے تھے، یہ دیکھ پیادے لوگ سوچے کہ مالک کو ان سب باتوں سے آگاہ کرنا چاہئے اور وہ واپس چلے گئے۔

سب کی آپسی گفتگو سے یہ طے پایا کہ اب کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ سب نے لوگوں سے ملنا شروع کیا اور آس پاس کے گاؤں والوں سے بھی بات چیت ہونے لگی۔ پٹواری یہ سب ماجرا دیکھ کر دھارا ۱۴۴ لگا دی تاکہ کوئی کسی سے مل جل نہ سکے۔

ایک دن صبح سانول کھیت میں لوٹا لے کر جا رہا تھا۔ سامنے سے چھپی آرہا تھا۔ سانول جب پھگوا کے گھر پر چھپا تھا تو چھپی نے ہی پٹواری کو خبر دی تھی، تو سانول صرف یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ چھپی نے ایسا کیوں کیا؟ چھپی کی دشمنی پھگوا سے تھی نہ کہ سانول سے، کچھ دیر بحث کے بعد دونوں میں جھگڑا ہو گیا اور سانول نے غصے میں آکر چھپی کا سر پھوڑ دیا۔ کچھ دیر کے بعد پولیس آئی اور سانول کو گرفتار کر کے لے گئی۔ اب سوال یہ تھا کہ گواہ کہاں سے لائے لیکن جس کے پاس پیسہ ہوتا ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ زمیندار اور پٹواری کی آؤ بھگت تھی۔ ایک طرف سانول پر کیس چلنے لگا تو دوسری طرف باقی لوگوں کے خلاف رپوٹیں ہونے لگیں۔ اور جس پر بھی ذرا سا شک ہوتا اسے دفعہ ۱۴۴ کی نوٹس

دی جانے لگی۔ اور ایسے ہی گرفتاریوں کا سلسلہ چلتا رہا، کھیت کھلیان سے زیادہ نوجوان جیل میں نظر آنے لگے۔ کھیتوں میں کسانوں سے زیادہ پولیس کا آنا جانا ہونے لگا۔

تحصیلدار خوش تھا کیوں کہ سارے مخالفین جیل میں بند تھے، کسی کے اندر اب آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ لیکن ایک سوال تھا جو دل میں چل رہا تھا کہ آگے کیا ہو گا۔ زمیندار بھی پریشان ہونے لگا کہ کھلیان بھرتے جا رہے تھے اور کھلیان میں مزدوروں سے زیادہ پولیس نظر آ رہی تھی۔ ٹھنڈ کا مہینہ تھا، کڑاکے کی ٹھنڈی پڑ رہی تھی، لوگ آگ تاپ رہے تھے اور گفت وشنید ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک اٹھ کر کھڑا ہوا اور کہا کہ ایک دن یہ سب ختم ہو جائے گا۔

بہر حال سہیل عظیم آبادی اپنے افسانہ ''الاؤ'' کے اختتام میں یوں رقم طراز ہیں:

''پوس کا مہینہ تھا، کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی، کھلیان کی حفاظت کرنے والے سپاہی اپنے گرم کوٹوں کے باوجود ٹھنڈک سے ککڑے جاتے تھے۔ سب نے مل کر بڑا سا الاؤ جلایا تھا۔ آگ تاپ رہے تھے اور کہانیاں کہی جا رہی تھیں ۔ الاؤ بجھنے لگا، ایک سپاہی اٹھتے ہوئے بولا۔

''ایک دن ساری چیز اسی طرح ختم ہو جائے گی''

دوسرا بولا:

''سالے پٹواری کھچڑ۔ اوہ لائن میں کیسے آرام سے رہتے ہیں اس وقت''

اس کے اٹھتے ہی دوسرے سپاہی بھی اٹھ کر جھونپڑے میں چلے گئے اور الاؤ بجھ گیا۔ کھلیان میں سپاہیوں کا شور گاؤں کے سناٹے میں مل گیا۔

زمین پر الاؤ بجھتی جا رہی تھی اور آسمان پر دھواں چھا رہا تھا۔''

(الاؤ۔ مرتب مصطفیٰ کمال پاشا۔ ص:۱۲۵ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

الغرض: اس افسانے کے ذریعے سہیل عظیم آبادی نے زمینداروں کے استحصال کے خلاف اپنی آواز کو بلند وبالا کیا۔ افسانہ الاؤ کی کہانی ایک میدان میں آگ کے پاس جہاں غریب کسان اور مزدور لوگ آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ لوگ زندگی کی سختیوں، بھوک اور بے بسی کے شکار ہیں۔ آگ یعنی الاؤ انھیں کچھ وقت کے لیے گرمی اور سکون ضرور فراہم کرتا ہے۔ مگر اس کے پس پردہ ان پر دکھوں کے انبار لدے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف زمیندار اور امیر طبقے کے لوگ ہیں جن کے پاس طرح طرح کے عیش وعشرت کے تمام لوازمات موجود ہیں۔ البتہ سہیل عظیم آبادی علمی ومالی خانوادے کے روشن ستارہ ہونے کے باوجود بھی انھوں نے زمیندارانہ عیش وعشرت کی زندگی کو ترک کر کے نہایت ہی مفلس اور بے کس انسانوں کے دکھ درد کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اور وہ اپنے تمام تحریروں میں سماج کے مظلوم طبقے کی حمایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ افسانہ "الاؤ" (سہیل عظیم آبادی)
۲۔ سہیل عظیم آبادی اور ان کے افسانے (ڈاکٹر وہاب اشرفی)
۳۔ کلیات سہیل (اقبال احمد خان سہیل)
۴۔ بے جڑ کے پودے (سہیل عظیم آبادی)
۵۔ چار چہرے سہیل عظیم آبادی

***